محفوظات شاہی کتب خانہ دیوبند

نام کتاب: دارالعلوم دیوبند کے ۱۱۷ سال — نمبر محفوظات: 166

مصنف: حضرت قاری محمد طیب صاحب رح — نمبر کتب خانہ: (احوال وکوائف) دارالعلوم دیوبند ۸۵

مقام اشاعت وتاریخ: دفتر اہتمام، دارالعلوم دیوبند سنہ ۱۹۸۰ء

ڈی وی ڈی نمبر

مجموعی صفحات: ۶۲ — دستخط: محمد جنید ۸/۴/۱۴۳۱ھ

تعلیمی، تبلیغی، ملی اور اجتماعی خدمات کی روشنی میں

دارالعلوم دیوبند کا قیام

کے پہلے چندہ دہندگان — از ۱۲۸۳ھ تا ۱۴۰۰ھ

کی ترقیات

اصول ہشتگانہ

کے لیے کتابوں کا انتظام

میں طلبہ کی تعلیم کا انتظام

تجوید، دارالافتاء

فتاویٰ دارالعلوم کی اشاعت

نصاب تعلیم

علم حدیث، دارالحدیث

تبلیغ دین اور فرق باطلہ

خوشنویسی، دارالصنائع

تعمیراتی ترقی

حضرت نانوتوی کی وفات، حضرت گنگوہی کی سرپرستی

حضرت شیخ الہند کا دور تدریس

حضرت کشمیری اور مدنی

[illegible] مسائل

دارالعلوم مہاجرین

خدمات

نظام عمل

دارالعلوم میں مسعودی

محمد اللہ ۲۵/۳/۲۰۱۰ء ۸/۴/۱۴۳۱ھ

دارالعلوم دیوبند

کے

۱۱۷ سال

تعلیمی، تبلیغی، ملّی اور اجتماعی خدمات کی

روشنی میں

شائع کردہ

دفتر اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند

دلشاد ۶۸۰

فہرست ۱۱۷ سالہ رپورٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک سو سترہ سالہ رپورٹ

دارالعلوم دیوبند

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین!

صدر محترم! علماء اسلام، مہمان عظام، وحاضرین اجلاس ہم سب سے پہلے ربّ العالمین کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے اپنے فضل وکرم سے اجلاس صد سالہ کے نام پر اس عالمی اجتماع کو بلانے کی توفیق بخشی جس میں آج دنیا بھر کے علماء ومشائخ، دانشوران امت، تعلیمی اداروں کے نمائندگان اور مختلف مملکتوں کے وفود اور ملک وملت کے بہی خواہ بڑی تعداد میں جمع ہیں اور اسی کے ساتھ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کے وہ تمام فرزندان گرامی قدر بھی تشریف رکھتے ہیں جنھوں نے ۱۳۲۸ھ کے بعد یہاں سے سند فراغت حاصل کی ہے اور اس وقت دنیا کے مختلف ملکوں، خطوں، اور گوشوں میں علم وفن، کتاب وسنت اور دین وملت کی مخلصانہ خدمات میں مشغول ومنہمک ہیں اور ملک ومختلف ممالک کے باشندے ہیں۔

ہم اپنی مادرِ علمی دارالعلوم اور باشندگان دیوبند کی طرف سے آپ
تمام حضرات کو خوش آمدید کہتے ہیں اور اجلاس کی شرکت کے موقع پر ہدیۂ تبریک
وتہنیت پیش کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالےٰ کا احسان ہے کہ آپ تمام بزرگوں
اور عزیزوں نے ہماری صدائے آواز پر لبیک کہا اور دنیا کے مختلف دور دراز
گوشوں سے سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے یہاں تشریف لانے کی زحمت
گوارا فرمائی۔ جزاکم اللہ تعالےٰ خیرا لجزاء۔

دیوبند جہاں آپ حضرات جمع ہیں ہندوستان کی ایک قدیم آبادی
اور اس ملک کا ایک بہت معمولی قصبہ ہے جہاں کی مردم شماری پچاس ہزار
نفوس سے زائد نہیں، مگر اس قصبہ کی ایک تاریخ رہی ہے جس کی تفصیل کا یہ
موقع نہیں ہے۔ اس گمنام آبادی کی قسمت میں شہرت وعزت کا ایک
اعلےٰ مقام مقدر تھا، اور وہ دارالعلوم دیوبند کے قیام سے وابستہ تھا،
چنانچہ آج دنیا کا کوئی ایسا متمدن گوشہ نہیں ہے جہاں دیوبند کا نام نہ
پہنچا ہو۔ اور جس کی سرزمین یہاں کے آفتاب علم کی کرنوں سے منور نہ
ہوئی ہو۔

ہندوستان کا دارالسلطنت دہلی ہے لیکن آج دیوبند اپنی شہرت و
تکریم میں اپنی ایک حیثیت رکھتا ہے، اس سرزمین دیوبند کی یہ بھی خوش بختی ہے
کہ آج اس پر یہ عظیم الشان علمی دینی اور تعلیمی ایک عالمی اجتماع منعقد ہو رہا ہے
جس میں مؤقر شرکاء کی ایک غیر معمولی تعداد موجود ہے۔

حضرات گرامی قدر!

اس عالمی اور بین الاقوامی اجتماع کو دیکھ کر ہمیں بے ساختہ وہ دور یاد آرہا
ہے جب ۱۸۵۷ء میں سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہو رہا تھا، اور ہندوستانی
باشندے انگریزی طاقت کے خلاف نبرد آزما تھے، دہلی لٹ رہی تھی
بڑی بڑی آبادیاں ویرانوں میں تبدیل ہو رہی تھیں، اور ملک کے بیشتر
حصوں میں علماء و مشائخ بے دردی کے ساتھ تہہ تیغ کئے جارہے تھے؛
ہمارے اسلاف و اکابر شاملی کے میدان میں انگریزی فوج کے مقابلہ
میں صف آرا ہو کر دادِ شجاعت دے رہے تھے۔

تاریخ وہ وقت فراموش نہیں کر سکتی جب ہندوستان کے
آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے رنگون بھیجا گیا اور پورے
ملک پر انگریزوں نے تسلّط پا کر دہلی میں قتل عام کی کھلی اجازت دیدی
جس کے نتیجہ میں اس ملک کے لاکھوں ہندو مسلمان موت کے گھاٹ اتار
دیئے گئے اور ملک کا دارالخلافہ دہلی انسانی لاشوں سے پاٹ دیا گیا، باقی
ماندہ علماءِ کرام کی ایک بڑی جماعت پر بغاوت کے الزام میں نئی حکومت
نے مقدمات قائم کر دیئے اور ان میں بہت سے مقتدر علماء کو سزا دیکر جزائر
انڈومان بھیجدیا گیا۔ جہاں انھوں نے نہایت بے کسی اور کسمپرسی کی زندگی
گذاری۔ اور بہت سے علماء وہیں پر ایک قیدی کی زندگی گذارتے ہوئے
آسودۂ خاک ہو گئے، واقعہ یہ ہے کہ وہ وقت ہندوستان کے علماء
پر بڑا ہی حوصلہ شکن، روح فرسا اور صبر آزما تھا اس ملک کے باقی ماندہ

مسلمان موت وحیات کی کشمش میں مبتلا تھے، ان کے لئے سر چھپانے کی کوئی جگہ باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اوقاف ومعافیات بحق سرکار ضبط ہو چکے تھے جنکی آمدنی سے کبھی دینی درسگاہیں قائم تھیں۔ اور ملک کے طول وعرض میں بہت سے اسلامی ادارے چلائے جارہے تھے، چنانچہ دینی مدارس اور اسلامی مراکز چل رہے تھے، آخرکار یہ تمام دینی مدارس اور اسلامی مراکز انقلابِ نو کی نذر ہوکر تباہ وبرباد ہوگئے، اور ملک کی آبادی خوف وہراس کی سخت گرفت میں آگئی۔ عیسائی مشنریوں نے اپنے لئے اس ماحول کو سازگار اور غنیمت جانا، چناں چہ ملک کے اس منقلب ماحول میں یورپ سے پوپ کی ایمار پر پادریوں کا ایک جم غفیر یہاں اُتار دیا گیا جو حکومت کی فوجوں کے سائے میں عیسائیت کا پرچار کرنے لگا اور ان لوگوں نے علی الاعلان اسلام اور اسلامی تعلیمات پر براہِ راست حملے شروع کردیئے۔ انگریزی حکومت کے اربابِ بست وکشاد کی دلی خواہش اور سعی تھی کہ ہندوستانی باشندے خوف ولالچ میں مبتلا ہوکر عیسائیت کو قبول کرلیں، تاکہ اس ملک میں انگریزوں کی حکومت کا مستقبل پائیدار وتابناک ہوجائے۔

دارالعلوم کا قیام

میزبانانِ کرام اس تمام پس منظر کو دہلی سے سو میل کی دوری پر دیوبند نانوتہ، تھانہ بھون اور گنگوہ جیسے چھوٹے چھوٹے قصبات کے موقرادر

دوربین علمائے کرام بچشم خود مشاہدہ کررہے تھے اور نہایت فکرمند تھے کہ موجودہ حالات کے مقابلہ کی کیا صورت ہو، کیونکہ مسلمانوں کے اقتدار شان وشکوہ اور جاہ وجلال کے آفتاب کو گہن لگ چکا تھا، ایک دین باقی رہ گیا تھا اس پر بھی یہ خطرناک قسم کی یلغار مسلسل جاری تھی۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایسے نازک وقت میں ہوش وحواس کا بجا رہنا ہی بذاتِ خود بڑا کمال تھا، سیّدالطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ اور آپ کے احباب وانصار ان حالات کی وجہ سے سب سے زیادہ دلگیر تھے، اور باہم مشورے کررہے تھے کہ امن بحال ہونے کے بعد کیا اقدامات کئے جائیں، یہ سارے حضرات مخلص خدا رسیدہ اور ایمان واسلام کے دلدادہ تھے، ان اللہ والوں کی التجا اور دعائے نیم شبی نے کام کیا اور رب کائنات نے ان کے دلوں میں ڈال دیا کہ موجودہ حالات میں مدارس دینیہ کے قیام سے ہی یورپ سے آتے ہوئے طوفانی الحاد، دہریت اور عیسائیت کے طوفان پر بند باندھا جاسکتا ہے، مگر اسکے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ تمام مدارس آزاد ہوں اور مسجدوں کی طرح ان کا تعلق بھی عام مسلمانوں سے براہِ راست ہو، ان کا انتظام مسلمان اپنی جیب سے کریں اور ان میں بلاتفریق امیر وغریب ہر ایک مسلمان بچہ تعلیم پاسکے۔ اس کے ساتھ علمار ایثار سے کام لیں اور معمولی معاوضہ پر درس وتدریس اور تعلیم وتربیت کی خدمات انجام دیں۔ طلبار کے قیام وطعام اور دوسری

ضروریات کا نظم حتی الوسع مدارس کی طرف سے ہو۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے اس کی ذمہ داری اپنے مسترشد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ پر ڈالی چناں چہ امن قائم ہونے کے بعد حضرت نانوتوی کی تحریک اور حضرت حاجی سید محمد عابد حسین صاحب، مولانا ذو الفقار علی صاحب، مولانا فضل الرحمن صاحب عثمانی اور دیوبند کے بہت سے مخلص و نمایاں حضرات کے تعاون سے ۱۸۵۷ء کے نو سال بعد ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء یوم پنجشنبہ کو اس سلسلے کا سب سے پہلا مدرسہ (مدرسہ اسلامی عربی دیوبند) کے نام سے مسجد چھتہ دیوبند میں قائم ہوا۔ یہی مدرسہ آج جامعہ اسلامیہ دار العلوم دیوبند کے نام سے دنیا کے طول و عرض میں جانا اور پہچانا جاتا ہے۔

انگریزی دور حکومت میں یہ پہلا تعلیمی ادارہ ہے جس کی داغ بیل اللہ کے مقبول بندوں نے اس سرزمین پر ڈالی تھی، اور خلوتوں میں رو رو کر رب العالمین سے التجا کی تھی کہ اسے ہندوستان میں اسلام و ایمان کے تحفظ، بقا اور اشاعتِ کتاب و سنت کا ذریعہ بنا دیا جائے تاکہ تثلیث کے فرزندوں کے تمام منصوبے ناکام ہو جائیں اور یہاں کے سہمے و خوفزدہ مسلمانوں میں ہمت و جرأت پیدا ہو، اور وہ دین قیم کی حفاظت پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے پر ہر آن آمادہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے ان برگزیدہ و خدا رسیدہ علماء اور بزرگوں کی

دعائیں قبول فرمائیں اور دیوبند کے اس جامعہ کو بڑی ترقی عطا کی، مایوسی کے اس ماحول میں جو مدرسہ ایک مسجد میں جاری ہوا تھا اسے برصغیر کا علمی مرکز اور مرجع بنا دیا اور اسنے کتاب و سنت اسلام و مسلمانوں کی عظیم الشان خدمات انجام دیں جس سے دین کا چرچا عام ہو گیا، سوئے ہوئے مسلمان بیدار ہو گئے اور غیر ملکی حکومت کا خوف و ہراس ان کے دلوں سے نکل گیا بلکہ اسی جامعہ اور اس کے فارغین و فضلاء کی جد و جہد سے ملک آزاد ہوا، اور سارے ملک میں دینی مدارس کے جاری کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا اس کے ساتھ ہی عام مسلمان ایمان و ایقان کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ جو اس مدرسہ کے سب سے پہلے صدر المدرسین تھے اور جنھوں نے اپنی آنکھوں سے ۱۸۵۷ء کا زمانہ دیکھا تھا، انھوں نے اس وقت کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

> مجموعہ حال کے دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ اب دین کا خاتمہ ہے نہ کوئی پڑھ سکے نہ پڑھا سکے، بڑے بڑے شہر (جیسے دہلی) جو مرکز اس دائرے کے تھے خراب ہو گئے، علماء پریشان، کتب مفقود، جمعیۃ ندارد، اگر کسی قلب میں شوق اور طلب علم کی ہمت ہو تو کہاں جائے اور کس سے سیکھے اور یوں نظر آتا تھا کہ بیس تیس سال

میں جو علماء بقید حیات ہیں اپنے وطن اصلی جنت کو سدھار
جائیں۔ تب کوئی اتنا بتلانے والا بھی نہ رہے کہ وضو
کے کتنے فرض ہیں اور نماز میں کیا واجب ہے۔"

دارالعلوم دیوبند جس دن قائم ہوا اس دن صرف ایک استاذ اور
ایک ہی طالب علم تھے، استاذ کا نام حضرت مولانا ملا محمود صاحبؒ اور
شاگرد کا نام محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اور تعلیم عربی ابتدائی کتابوں کی تھی،
چھوٹے بچوں کے لئے ابتدائی اردو و فارسی کا پہلے سال میں کوئی انتظام
نہ تھا، مگر پندرہ دن کے بعد ۳۰ محرم تک طلبہ کی تعداد ۲۱ ہوگئی تھی،
اور پورے سال گذرنے کے بعد یعنی یکم شعبان جب تک تعلیمی سال
مکمل ہو رہا تھا عربی پڑھنے والے کل طلبہ کی تعداد ۷۸ تک پہنچ گئی،
جن میں بیشتر دوسرے اضلاع کے تھے۔ پہلے سال کی روداد میں درج
ہے کہ:-

مدرسہ کو اس سال جو ترقی اور رونق حاصل ہوئی اس کی
قطعاً کوئی توقع نہیں تھی۔ مگر بفضل رب العالمین اطراف
وجوانب کے طلبہ آنے شروع ہو گئے ہیں، حدیہ ہے کہ اس
سال پنجاب، کابل اور بنارس سے بھی طلبہ نے آکر داخلہ لیا۔
اور مدرسہ و اہلِ دیوبند نے ان طلبہ کو بڑی عزت واحترام
کے ساتھ جگہ دی اور ان کے طعام وقیام کا انتظام کیا، ان میں
۵۸ طلبہ باہر کے تھے جن میں سے ۵۲ کو اہلِ دیوبند نے اپنے

پاس سے کھانا کھلایا، ۶ طلباء نے اپنے کھانے کا خود انتظام
کیا۔ طلبہ نے ایک سال میں میزان سے کافیہ تک پڑھا، اور
متوسط الاستعداد فراغت کے قریب پہنچ گئے۔

(روداد ۱۲۸۳ھ)

حضرت مولانا محمد یعقوب اور مولانا ملا محمود کا ارباب شوریٰ نے اس
محنت پر شکریہ ادا کیا۔

آج سے ۱۱۷ سال پہلے جب اخبارات، ریڈیو اور آمد و رفت کی
موجودہ سہولتیں نہیں تھیں، سوچئے کس نے تمام جگہوں میں یہ اطلاع دیدی
تھی کہ دیوبند میں عربی کا اسلامی مدرسہ کھلا ہے۔ یقیناً یہ سب غیبی طاقت
تھی اور مقبول ترین بندوں کا اخلاص جس کے نتیجہ میں یہ سب کچھ ہو رہا
تھا۔

دارالعلوم کے پہلے چندہ دہندگان

۱۔ حاجی سید محمد عابد حسین صاحبؒ
۲۔ مولانا مہتاب علی صاحبؒ
۳۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ
۴۔ جناب حاجی فضل حق صاحبؒ
۵۔ مولانا ذوالفقار علی صاحب عثمانیؒ

٦ - جناب سید ذوالفقار علی ثانیؒ

اور اس کے بعد دوسرے کچھ اور حضرات تھے جن کے نام درج نہیں
حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ سرپرست منتخب ہوئے
اور حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ مہتمم اور مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ
مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ عثمانی، حاجی فضل حق صاحبؒ، مولانا مہتاب
علی صاحبؒ، اور شیخ نہال احمد صاحبؒ ارکان شوریٰ ہی۔

اسی زمانے میں ایک اشتہار ان تمام حضرات کے دستخطوں سے
شائع ہوا جس کا مضمون یہ تھا۔

" دیوبند میں اکثر اہلِ ہمت نے جمع ہو کر کسی قدر چندہ جمع
کیا ہے اور ایک مدرسہ عربی پندرہ محرم ۱۲۸۳ھ سے جاری
ہو گیا ہے۔ جو حضرات شریک چندہ اب تک نہیں ہوئے ہیں
آئندہ وہ اس میں ضرور حصہ لیں۔"

طلبہ کے سلسلے میں اس اشتہار میں صراحت ہے۔

طلبہ کی خوراک و رہائش کا مُفت انتظام کیا جائے گا، اور کتابیں
بھی انھیں دی جائیں گی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب چونکہ قیام مدارس
کے سلسلے میں ایک خاص جذبہ رکھتے تھے اس لئے آپ اپنی سعی و کاوش
سے اطراف و جوانب میں بھی قیام مدارس کے لئے کوشاں رہے۔ چنانچہ
منبع العلوم گلاؤٹھی، مدرسہ شاہی مرادآباد، مدرسہ قاسمیہ نگینہ، مدرسہ مرادیہ
مظفر نگر، مدرسہ عربی تھانہ بھون اور دوسرے مدارس قائم ہوئے جن کے

دارالعلوم نے تدریس کے سلسلے میں اپنے یہاں سے اساتذہ
فراہم کئے، یہ تمام مدارس حضرت نانوتویؒ کی توجہ اور
تحریک سے ہی وجود میں آئے۔

دارالعلوم کی ترقیات

دن بدن دارالعلوم مرحلہ بہ مرحلہ ترقی کرتا رہا۔ مگر نو سال تک
اس کے لئے کوئی عمارت نہیں بن سکی ۱۹؍ ذیقعدہ ۱۲۹۱ھ کو تقسیم انعام کا
جلسہ ہوا اس میں سرپرست مدرسہ استاذ المحدثین حضرت مولانا محمد قاسم
صاحب نانوتویؒ نے تجویز پیش کی کہ مدرسے کے لئے کسی کشادہ رقبہ میں اسکی
اپنی عمارت بنوائی جائے، حاضرین جلسہ نے حضرت موصوف کی اس تجویز کو
پسند کیا اور اسے ضروری قرار دیا چنانچہ اس کے لئے بھی الگ سے چندہ ہوا
اور آبادی کے کنارے محلّہ دیوان سے متصل ایک زمین خریدی گئی یہی وہ
زمین ہے جہاں آج دارالعلوم قائم ہے۔

دو ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ کو بعد نماز جمعہ گزشتہ سال کے فارغین کو دستار
فضیلت دینے کے لئے جلسہ ہو رہا تھا، اس جلسہ میں مولانا محمد یعقوب صاحب
صدر مدرس اوّل نے حضرت نانوتوی کی ایک تحریر پڑھ کر سنائی اور جلسے
سے فارغ ہو کر تمام حضرات اس زمین پر آئے جہاں سنگ بنیاد رکھا جانا
تھا، حضرت حاجی سید محمد عابد حسین صاحبؒ نے اس نئی عمارت کو بنوانے

کی موافقت نہیں کی ان کی یہ خواہش تھی کہ یہ مدرسہ جامع مسجد دیوبند ہی
میں رہے۔ حضرت نانوتوی ان کی خدمت میں تشریف لے گئے اور انھیں
منا کر لائے، پھر موجودہ حضرات کے سامنے اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی گئی جنمیں
حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، حضرت مولانا رشید احمد صاحب
گنگوہی، حضرت میاں جی منّے شاہ صاحب، حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی
نیز حضرت حاجی سید محمد عابد حسین صاحب اور خود حضرت مولانا محمد قاسم صاحب
نانوتوی بھی موجود تھے، پھر ان تمام اولیاء اللہ نے خشوع وخضوع کے
ساتھ بارگاہ خداوندی میں دعائیں کیں، انھیں حضرات کی دعاؤں کا ثمرہ
ہے کہ یہ مدرسہ ایک سو سترہ سال سے اشاعت کتاب وسنت اسلام
اور مسلمانوں کی دینی و ملی خدمات انجام دیتا آرہا ہے اور انشاء اللہ تاقیامت
یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

سرپرست مدرسہ حضرت نانوتوی نے فرمایا تھا کہ :-

عالم مثال میں اس مدرسہ کی شکل ایک معلق ہانڈی کی ہے
جب تک اس کا مدار توکل اور اعتماد علی اللہ پر رہے گا یہ
مدرسہ ترقی کرتا رہے گا۔

ساتھ ہی آپ نے دارالعلوم کے لئے زرین اصول بھی اپنے خاص قلم سے
تحریر فرمائے اور یہ اصول جو بظاہر سادہ ہیں مگر درحقیقت الہامی اور بڑے
دوررس ہیں، یہ اصول دراصل ان تمام مدارس اسلامیہ کے لئے مکمل راہ عمل
کی حیثیت رکھتے ہیں جو ہندوستان اور ہندوستان جیسے ملکوں میں خدمت علم

اور اشاعت اسلام کے لئے قائم ہیں یہاں ہم ان اصولوں کو جن کی تعداد
آٹھ ۸ ہے، حضرت نانوتوی کے ہی الفاظ میں پیش کرنا مناسب سمجھتے
ہیں۔

اصولِ ہشتگانہ دارالعلوم دیوبند

۱۔ تا مقدور کارکنندگانِ مدرسہ کی ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے
آپ کوشش کریں اور اوروں سے کرائیں، خیر اندیشانِ مدرسہ
کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔

۲۔ ابقائے طعام طلبہ، بلکہ افزائش طلبہ میں جس طرح ہو سکے
خیر اندیشان مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں۔

۳۔ مشیران مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی
اور خوش اسلوبی ہو، اپنی بات کی پچ نہ کی جائے، خدانخواستہ
جب اس طرح کی نوبت آئے گی کہ اہلِ مشورہ کو اپنی مخالفتِ
رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو اس مدرسہ
کی بنیاد میں تزلزل آجائے گا۔ القصہ تہہ دل سے بر وقت
مشورہ اور نیز اس کے پس و پیش میں اسلوبیِ مدرسہ ملحوظ
رہے سخن پروری نہ ہو۔ اور سامعین بنیتِ نیک اس کو سنیں
یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی۔

تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو، بدل وجان قبول کریں گے
اور نیز اسی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مہتمم امور مشورہ طلب میں
اہلِ مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے، خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ
مشیر مدرسہ رہتے ہوں۔ یا کوئی وارد و صادر، جو علم و عقل رکھتا ہو،
اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو، اور نیز اس وجہ سے ضروری ہے کہ اگر
اتفاقاً کسی وجہ سے اہلِ مشورہ سے مشورہ کی نوبت نہ آئے اور
بقدرِ ضرورت اہل مشورہ کی تعداد معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو، تو
پھر اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا، ہاں اگر
مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر اہل مشورہ معترض ہو سکتے ہیں

۴۔ یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب
ہوں، اور مثل علمائے روزگار خود بین اور دوسروں کے درپے
توہین نہ ہوں خدا نخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر اس
مدرسہ کی خیر نہیں۔

۵۔ خواندگی مقررہ اس انداز سے ہو جو پہلے سے تجویز ہو چکی ہے
یا بعد میں کوئی اور انداز مشورے سے تجویز ہو، پوری ہو جایا
کرے، ورنہ یہ مدرسہ اوّل تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو
بے فائدہ ہوگا۔

۶۔ اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں، تب
تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا، اور

اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہو گئی، جیسے جاگیر، یا کارخانہ تجارت
یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف و رجاء
جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد
غیبی موقوف ہو جائے گی۔ اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائیگا
القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سرو سامانی
ملحوظ رہے۔

۷۔ سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم
ہوتی ہے۔

۸۔ تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے
جنکو اپنے چندہ سے امیدِ ناموری نہ ہو، بالجملہ حسنِ نیتِ اہل چندہ
زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔

ان اصول ہشتگانہ پر بار بار غور کیا جائے کہ کیسے جامع ہیں اور کتنی عمدہ
ہدایتوں پر مشتمل ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان میں تنظیم مدارس کا پورا منصوبہ اور
جذبہ کارفرما ہے۔ اراکین شوریٰ، مہتمم مدرسہ، مدرسین اور کارکنان مدرسہ سبھوں
کیلئے ان میں روشنی موجود ہے۔

تکثیر چندہ اور اس کے لئے سعی، طلبہ کی امداد اور انہیں اضافہ، اراکین شوریٰ
کا مخلص، صاف گو اور ہمدردِ مدرسہ ہونا اور مہتمم مدرسہ کا مشورہ طلب
امور میں مشورہ کا اہتمام کرنا جس قدر ضروری ہے کسی دور اندیش سے مخفی نہیں
کیونکہ مدرسہ کی ترقی کا دارومدار اور تعلیم و تربیت میں برکت کی راہ اس کے

سوا کوئی دوسری نہیں ہے، اسی طرح مدرسین کا متفق المشرب ہونے کے ساتھ ہی کینہ اور حسد سے خالی ہونا بنیادی چیز ہے اس لئے کہ ان کے ہی اخلاق واعمال سے عام طور پر طلبہ اثر لیتے ہیں۔ ان کی نیکی اور ان کا اخلاص طلبہ میں نیکی واخلاص پیدا کرنے کا باعث ہوا کرتا ہے اور ان کی خامیوں سے طلبہ میں خامیاں پیدا ہونے لگتی ہیں رہی آمدنی اور ذریعہ آمدنی جس کو آج کل سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے، اس کے سلسلے میں بانی کی وصیت گو آج لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے، مگر دارالعلوم اور دوسرے مدارس کا سب سے بڑا سرمایہ ہے کیونکہ جب کوئی متعین آمدنی نہ ہوگی، اللہ تعالے پر اعتماد اور اس کے لئے دعاؤں کے ساتھ سعی مسلسل بھی جاری رہے گی اور پھر اس کے نتیجہ میں غیبی امداد کے دروازے بھی کھلے رہیں گے اسی وجہ سے ارباب مدرسہ کو سرکار وامراء کی امداد سے حتی الوسع اجتناب کا مشورہ دیا گیا ہے۔

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم بحمداللہ ۱۱۷ سال سے ان اصولوں پر گامزن ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ ان اصولوں کی پابندی سے غیبی امداد مسلسل جاری رہی ہے۔ شعبۂ تنظیم وترقی جو فراہمیٔ سرمایہ کی خدمت انجام دیتا ہے، آپ کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ مدرسہ کا سالانہ بجٹ جو اس وقت تقریباً ۳۰ لاکھ روپے ہے،) دارالعلوم کو اس شعبہ کے ذریعہ صرف اپنے بجٹ کی ایک تہائی رقم وصول ہوتی ہے، بقیہ دو تہائی آمدنی بلاطلب مخلص مسلمانوں کی طرف سے از خود آتی ہے جس کو غیبی امداد نہیں تو اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

آج تک الحمدللہ دارالعلوم کو کبھی کسی منزل میں آمدنی کی طرف سے کوئی مشکل

پیش نہیں آئی ہمیشہ اس کا بجٹ درج بالا اصولوں کی بنیاد پر ہی بآسانی پورا ہوتا رہا اور کارکنان مدرسہ وطلبہ دونوں ہی اپنے کاموں میں باطمینان مصروف رہے۔

دارالعلوم کیلئے کتابوں کا انتظام

حضرات ابھی عرض کیا گیا تھا کہ دارالعلوم کی ابتداء عربی تعلیم سے ہوئی پہلے استاذ نے پہلے طالب علم کو قدوری وغیرہ کا سبق پڑھایا تھا اور سال بھر عربی درجہ کے طلبہ ہی داخل ہوتے رہے، لیکن دوسرے سال قرآن شریف فارسی، وریاضی کی تعلیم کے لئے بھی اساتذہ کا اضافہ کرنا پڑا اور دوسرے سال سے ہی دورۂ حدیث کی تعلیم بھی جاری ہوگئی اور طلبہ وآمدنی میں بھی بتدریج اضافہ شروع ہو گیا۔ جہاں طلبار کے لئے خوراک اور قیام کا انتظام مدرسے نے اپنے ذمہ لیا تھا وہیں اُسنے اُن کے لئے کتابوں کی فراہمی بھی اپنے ذمہ لے لی تھی ابتدا میں بہی خواہان مدرسہ سے عاریتاً کتابیں دینے کی درخواست کی گئی، مقامی اہل علم سے بھی اور بیرونی حضرات بھی، چنانچہ کتابوں کا ایک اچھا خاصہ ذخیرہ فراہم ہونا شروع ہوگیا۔ اکابر واسلاف نے تو اپنی کتابیں مکمل طور پر مدرسہ کو ہی دیدی تھیں، باہر سے بھی کتابیں آنے لگیں اس سلسلے میں سالانہ رودادوں میں ایک مخصوص باب میں ایسے تمام معطیان کے نام درج ہوتے تھے، جنھوں نے دارالعلوم کا تعاون کتابوں کے ذریعہ

کیا تھا۔

دارالعلوم کا کتب خانہ

اس زمانہ میں ہندوستان کا مشہور عربی کتب خانہ منشی نول کشور کا تھا مختلف سنین کی رودادوں میں ان کی طرف سے کتابیں بھیجنے کا تذکرہ موجود ہے اور خاص طور پر ان کے تعاون کا شکریہ ادا کیا گیا ہے، موصوف نے جب اپنا اخبار "اودھ" کے نام سے نکالا تو وہ اس کو بھی دارالعلوم کے لئے پابندی کے ساتھ بلاقیمت بھیجتے رہے، اسی طرح راؤ امر سنگھ نے اپنے اخبار "سفیر بڈھانہ" کو بھی دارالعلوم کے لئے عاریتاً بھیجنا شروع کیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ ۱۲۹۱ھ میں قسطنطنیہ سے "الجوائب" نامی عربی اخبار بلاقیمت یہاں آنے لگا آج یہی کتب خانہ رفتہ رفتہ ترقی کر کے ایک وسیع رقبہ میں پھیلا ہوا ہے اور اس میں کم و بیش ڈیڑھ لاکھ کتابیں داخل ہو چکی ہیں اسلامی کتابوں کا جتنا بڑا ذخیرہ دارالعلوم کے کتب خانہ میں ہے برِّ صغیر میں اس کی کوئی مثال نہیں، ہندوستان کے بہت سے عالموں کے کتب خانے ان کی وفات کے بعد یہاں منتقل ہوتے رہے ہیں، پہلے پہلے یہ کتابیں احاطۂ نودرہ کے بعض کمروں میں تھیں لیکن ۱۳۲۴ھ میں اس کی عمارت کا دارالمشورہ سے متصل دوسری منزل پر سنگ بنیاد رکھا گیا۔ جو اس وقت اُردو ہال کے نام سے موسوم ہے۔

اس کتب خانہ کی پہلی تنظیم مولانا عبدالحفیظ صاحب دربھنگوی نے کی جو شیخ الہندؒ کے ممتاز شاگرد تھے، بعد میں دوسرے علماء نے اس ترتیب کو جاری رکھا ۱۳۸۲ھ میں دارالعلوم کی جائزہ کمیٹی کی رپورٹ پر اس کی جدید ترتیب ضروری سمجھی گئی ہے چنانچہ موجودہ مدیر کتب خانہ کے سپرد یہ ذمہ داری دی گئی اب یہ ترتیب زبان وار اور فن وار ہے موجودہ تقاضوں کے مطابق اس کتب خانہ میں کارڈ سسٹم بھی جاری کیا گیا، اس کے بعد مہتمم صاحب مدظلہ کے ایما سے اکابر دارالعلوم کی تصانیف کے لئے الگ ایک کمرہ مخصوص کیا گیا اور اس میں ہر مصنّف کی کتابیں مہیا کی گئیں۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی سے لیکر اس وقت تک کے اکابر علماء کی تصانیف کا ذخیرہ اس میں موجود ہے۔ قلمی کتابوں کا دو ضخیم جلدوں میں تعارف لکھا گیا اور چھپوایا گیا۔ دنیائے علم میں اس سعی اور خدمت کو سراہا گیا کوشش جاری ہے کہ پورے کتب خانہ کی طبع شدہ جملہ کتابوں کی فہرست بھی سن وار چھپ جائے تاکہ اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ سکے۔ اس کے علاوہ یہاں کے نصاب پر وقتاً فوقتاً وقفہ وقفہ سے نظرثانی کے بعد معمولی ردّو بدل ہوتا رہا ہے چنانچہ ۱۲۹۶ھ میں فن طب کے اضافہ کو ضروری سمجھا گیا اور طب کی عربی کتب نصاب میں شامل کی گئیں چنانچہ ۱۳۱۱ھ میں پھر طبّ کی کتابوں کا بھی اضافہ ہوا اور اس فن کی اچھی کتابیں جمع کر کے کتب خانہ میں اضافہ کیا گیا۔

دارالعلوم میں طبّ کی تعلیم کا انتظام

اس احساس کے ساتھ ہی کہ فن طبّ انسانی خدمت کا ایک بہتر ذریعہ ہے

اور ایک باعزت ذریعہ معاش بھی چنانچہ ۱۲۹۶ھ میں دارالعلوم میں طب کا نصاب
شروع کیا گیا لیکن ۱۳۷۵ھ میں موجودہ مہتمم حضرت مولانا محمد طیب صاحب
مدظلہ نے ایک مستقل شعبہ کی حیثیت سے جامعہ طبیہ کے قیام کی مجلس شوریٰ سے
سفارش کی چنانچہ اس کا الگ اجراء اور قیام عمل میں آیا اولاً یہ بات ملحوظ رکھی
گئی کہ دارالعلوم میں فن طب کا ایسا استاذ رکھا جائے جو حدیث وغیرہ کے
ساتھ ہی فن طب کی کتابوں پر بھی بصیرت رکھتا ہے لیکن مستقل شعبہ کی حیثیت
سے عمل میں آجانے کے بعد یہ بات تسلسل کے ساتھ جاری نہیں رکھی جاسکی مگر
پھر بھی ایسے ہی اساتذہ کو ترجیح دیجاتی ہے، جو اسلاف کے طریقہ اور علم حدیث
سے مناسبت رکھتے ہوں بحمدللہ دارالعلوم کے جامعہ طبیہ سے ہر سال کافی
طلبہ فراغت حاصل کرتے رہے ہیں۔ اور مختلف مقامات پر یہاں کے فارغ شدہ
افراد کامیابی کے ساتھ مطب چلا رہے ہیں اور اس کے ساتھ درس و تدریس کے
فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔

شعبۂ تجوید کا قیام

دارالعلوم میں ابتداءً فن تجوید کا کوئی مستقل شعبہ نہیں تھا لیکن اس
کی ضرورت کا احساس برابر کیا جاتا رہا ۱۳۲۱ھ میں اس شدید ضرورت کے
پیش نظر مستقل شعبۂ تجوید کا اجراء عمل میں لایا گیا اور سب سے پہلے اس
شعبہ میں قاری عبدالوحید خاں الہ آبادیؒ کو بلایا گیا جو قاری عبدالرحمٰن مکیؒ کے

تلامذہ میں سے تھے اس شعبہ کے اجراء کے لئے ظاہری سبب موجودہ مہتمم
حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ بنے۔ بحمداللہ اس وقت اس شعبہ میں
چار اساتذہ ہیں اور ہر طالب علم کے لئے ایک سال تجوید کی کتاب پڑھنا ضروری
قرار دیا گیا ہے، طالب علم جب تک فوائد مکیہ باضابطہ طور پر نہیں پڑھ لیتا اسے
فاضل کی سند نہیں دی جاتی۔

دارالافتاء

مسلمانوں کی یہ خوش قسمتی ہے کہ وہ اپنی دن رات کی زندگی میں دین
سے برابر وابستہ رہے ہیں۔ اور جب کوئی نئی بات پیش آتی ہے تو اس کے
متعلق علماء سے استفتاء کرتے ہیں اور کتاب و سنت کی روشنی میں وہ
جو راہ بتاتے ہیں اسی پر عمل پیرا ہوتے ہیں، ابتداء میں ایسے فتوؤں کے
جوابات خود صدر المدرسین حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ لکھتے تھے اور آپکے
بعد دوسرے مدرسین سے یہ کام لیا جاتا رہا مگر جب یہ کام کافی بڑھ گیا تو اس کے
لئے مستقل شعبہ قائم کرنا ضروری ہوگیا چنانچہ ۱۳۱۰ھ میں شعبۂ دارالافتاء کا
افتتاح عمل میں آیا اور حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰن صاحب عثمانی کو جو اس
وقت نائب مہتمم بھی تھے بحیثیت مفتی دارالافتاء میں منتقل کیا گیا، افتاء نویسی
کے ساتھ ہی آپ ایک دو اسباق بھی پڑھاتے رہے کافی عرصہ تک سوالات
وجوابات کی نقول رکھنے کا نظم نہیں تھا، لیکن ۱۳۲۹ھ میں اس شعبہ کو ترقی دی گئی

اور ایک نائب مفتی و محرر کا اضافہ کیا گیا، اور تمام سوالات وجوابات کی نقولات کو محفوظ رکھا جانے لگا ۱۳۴۷ھ تک یہ شعبہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں میں رہا اور آپ یہ خدمت تنہا بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ اب اس شعبہ کی تمام تر ذمہ داری مولانا مفتی نظام الدین اعظمی کے سپرد ہے دارالافتاء کے شعبہ میں حالات کے ساتھ ساتھ کاموں میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا، اسوقت اس شعبہ میں چار مفتیان کرام نیز پانچ محرر کام کر رہے ہیں اور ہر سال بارہ تیرہ ہزار کی تعداد میں اس شعبہ سے فتاویٰ جاری ہوتے ہیں۔

فتاویٰ دارالعلوم کی اشاعت

۱۳۷۵ھ میں موجودہ مہتمم صاحب کو یہ توجہ ہوئی کہ دارالعلوم کے ہزارہا فتاوی کا جو ذخیرہ رجسٹروں میں محفوظ ہو گیا ہے انھیں باضابطہ مرتب کر کے شائع کیا جائے چنانچہ مجلس شوریٰ سے منظوری لیکر آپ نے ان فتاوی کی ترتیب کا کام جاری کرا دیا، ابتدا میں یہ کام ایک مفتی سے عارضی طور پر لیا گیا، لیکن ۱۳۷۶ھ سے اس کام کے لئے الگ سے ایک مستقل مفتی مقرر کر دیا گیا ۱۳۷۷ھ میں یہ کام موجودہ مرتب فتاویٰ مولانا محمد ظفیر الدین کے سپرد ہوا چنانچہ انھوں نے ان فتاوی کو کتاب وار، باب وار اور پھر فصل وار مرتب فرمایا۔ ہر ہر مسئلہ کے کتابوں سے حوالے تلاش کر کے انھیں حواشی میں ظاہر کیا گیا۔ اس طرح حواشی وغیرہ کی ترتیب سے اب

فتاویٰ دارالعلوم کی دس ضخیم جلدیں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں جو ہزارہا صفحات پر مشتمل ہیں اور اس پر تسلسل کے ساتھ کام جاری ہے۔ انشاء اللہ بقیہ جلدیں بھی بتدریج عنقریب شائع ہو جائیں گی۔

دارالعلوم کا نصابِ تعلیم

اس سے قبل یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ دارالعلوم کا نصاب کبھی منجمد نہیں رہا بلکہ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد نظر ثانی ہوتی رہی، نصاب میں قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر کی کتابیں تو شامل تھی ہیں لیکن ذمہ داروں نے محسوس کیا کہ جس طرح حدیث کی تعلیم کا اختتام دورۂ حدیث پر ہوتا رہا ایسے ہی تفسیر قرآن کا دورہ بھی نصاب میں شامل کیا جائے اور اسے دورۂ حدیث کے بعد رکھا جائے چنانچہ ۱۳۵۱ھ میں دورۂ تفسیر کا اجراء عمل میں آیا اور یہ درجہ آج تک قائم ہے اس کے ساتھ ہی تکمیل کے بھی کئی درجات کر دیئے گئے ہیں۔ جیسے:۔ تکمیل ادب، تکمیل دینیات تکمیل معقولات وغیرہ مقصد یہ ہے کہ جن طلبہ کو جن فنون سے بھی مناسبت ہو اسی درجہ میں داخل ہو کر منتخب فن میں مہارت اور رسوخ حاصل کریں بعد میں "صف عربی" کا درجہ بھی کھولا گیا تاکہ موجودہ جدید عربی بھی طلبہ پڑھ سکیں اور اس زمانہ میں عرب ممالک میں جا کر دین مبین کی بآسانی خدمت کر سکیں۔

اس شعبہ کے لئے حکومت مصر نے کئی سال تک اپنے یہاں سے اساتذہ بھیجے الحمد للہ آج یہ شعبہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے اور طلبہ کی

بڑی تعداد اس شعبہ سے وابستہ ہے۔

علم حدیث میں دارالعلوم کا امتیاز

دارالعلوم میں ابتدار سے ہی سارے فنون پڑھائے جاتے رہے ہیں لیکن علم حدیث میں اس درس گاہ کی خاص شہرت رہی ہے کیونکہ یہاں کا دورۂ حدیث محققانہ اور مجتہدانہ انداز کا ہوتا ہے اور اساتذہ بڑی تیاری اور محنت سے درس دیتے رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد غیر ممالک سے یہاں طلبار آنے لگے، جو علمار دوسرے مدارس میں حدیث پڑھ چکے تھے بلکہ کئی سال درس بھی دے چکے تھے اس کی شہرت سُنکر وہ بھی یہاں آکر درس حدیث میں شریک ہوئے اور پورا سال طالب علم کی حیثیت سے یہاں گذارا نیز سند حدیث لیکر واپس ہوئے۔

۱۲۸۹ھ کی روئداد میں درج ہے کہ اس قسم کے علمار میں مولانا عبداللہ مولانا سلامت اللہؒ، مولانا معشوق علیؒ، مولانا برکت اللہؒ دہلوی، مولانا عبدالرحیمؒ علی گنج بہار نے یہاں آکر دورۂ حدیث پڑھا اور یہاں کے درس وفیوض وبرکات سے متمتع ہوئے۔

رجب ۱۳۳۰ھ میں علامہ رشید رضا مصریؒ جو ایک ممتاز اہل قلم متبحر عالم اور مفتی محمد عبدہؒ کے تلمیذ رشید تھے، جب دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور محدث العصر حضرت مولانا علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ صدر المدرسین دارالعلوم

کی حدیث پر تقریر سُنی اور دارالعلوم کا معائنہ فرمایا تو حضرت مہتمم صاحب کے سپاسنامہ کے جواب میں انھوں نے اعتراف کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:-

"جو عظیم الشان گراں مایہ خدمات آپ علم اور دین کی انجام دے رہے ہیں، اس لحاظ سے آپ میرے اور تمام مسلمانوں کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ مجھے اس دارالعلوم کو دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی، میں آپ حضرات کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر میں دارالعلوم کو نہ دیکھتا تو ہندوستان سے نہایت غمگین واپس جاتا۔ اس مدرسہ کی نسبت میں نے اب تک جو کچھ سنا تھا اس سے بہت زیادہ پایا۔ استاد جلیل مولانا انور شاہ نے جو اصول بیان کئے اور اپنے مشائخ کا مسلک جو مجھے بتایا ہے میں اسے پسند کرتا ہوں اور اس سے متفق ہوں فقہ حنفی بلاشبہ کافی ووافی ہے۔"

اسی کے ساتھ انھوں نے کنوز السنہ کے مقدمے میں صراحتاً لکھا اور دارالعلوم میں حدیث کا جو رنگ دیکھا تھا اس کا اظہار فرمایا، تحریر فرمایا کہ:-

"اگر ہمارے بھائی ہندوستانی علمار کی توجہ اس زمانہ میں علم حدیث کی طرف مبذول نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا کیونکہ مصر، شام، عراق اور حجاز میں دسویں صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری کے

اوائل تک یہ علم ضعف و زوال کی آخری منزل پر پہنچ گیا تھا۔"

دارالحدیث دارالعلوم

یہ ایک حقیقت ہے کہ دارالعلوم اور علماء دیوبند نے علم حدیث کی مختلف جہتوں سے بہت عظیم خدمت انجام دی ہے۔ اور اس کی تعلیم و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ جسکی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، دارالعلوم کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ اس نے علم حدیث کی عظمت کے پیش نظر اس کی تعلیم و تدریس کے لئے مستقل عمارت کا دارالحدیث کے نام سے بنانے کا فیصلہ کیا اور ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ میں اس کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور عام مسلمانوں کے چندہ سے اسے تعمیر کیا گیا۔ ہندوستان کی پوری تاریخ میں کہیں دارالحدیث کے نام سے اس سے پہلے کوئی عمارت بنانا ثابت نہیں ہے اس کے سنگ بنیاد رکھنے میں اس وقت کے علماء کبار شریک تھے جیسے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی (م ۱۳۳۹ھ) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری۔ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری طاب اللہ ثراہم، حضرت تھانوی کی درخواست پر ان تمام حضرات نے دو دو اینٹیں رکھیں۔ اس وقت کے مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب ابن حضرت نانوتوی نے اس سلسلے میں بڑی محنت کی اور بہت دلچسپی لی،

اس کی تعمیر کے بعد سے اسی دارالحدیث میں دورۂ حدیث کے اسباق ہوتے ہیں۔ اور ہر سال سینکڑوں طلبہ علم حدیث سے فارغ ہو کر نکلتے ہیں۔

دارالعلوم کے دستار بندی کے جلسے

دارالعلوم دیوبند دورۂ حدیث سے فارغ شدہ طلبہ کو اول یوم سے دستار فضیلت سے نوازتا رہا ہے تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہوتی رہے عام طور پر ایسے مواقع پر علماء صلحاء اور اولیاء اللہ اور دانشوران اُمت کو جمع کیا جاتا رہا ہے تاکہ ان فارغ شدہ طلبہ کے لئے دعائیں ہوں اور لوگوں میں رغبت پیدا ہو، شروع سے اب تک دستار بندی سے متعلق متعدد اجتماع ہوتے رہے ہیں اور فضلاء کو دستاریں دی جاتی رہی ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلا جلسہ ۱۲۸۹ھ میں ہوا، پھر ۱۲۹۲ھ میں پھر ۱۲۹۸ھ میں اور اس کے بعد ۱۳۰۱ھ میں، اس کے بعد عرصہ تک کوئی جلسہ دستار بندی کے نام سے نہ ہو سکا ۱۳۲۸ھ میں ہمارے اکابر نے اس طرف پھر توجہ دی اور ایک عظیم الشان جلسہ دستار بندی کے نام سے ۶/۷/۸ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ کو منعقد ہوا یہ بہت عظیم اجتماع تھا ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی، ان کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ تھی اس زمانہ میں مسند اہتمام پر حضرت نانوتوی کے چشم و چراغ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب فائز تھے، آپ نے اس موقع پر ایک خطبہ پڑھا جو" دارالعلوم کا زرین ماضی و

مستقبلؔ کے نام سے چھپا، اس میں دارالعلوم کی کارگزاری پر بھی نظر ڈالی گئی، ۱۳۲۸ھ کے جلسے میں بہت سے علماء کے سروں پر دستار فضیلت باندھی گئی ۱۳۲۸ھ کے بعد سے اب تک ۷۲/۳/ سال کے اس درمیانی وقفے میں اس نام سے کوئی جلسہ منعقد نہ ہو سکا، ۱۳۷۶ھ میں مجلس شوریٰ دارالعلوم نے طے کیا تھا کہ اجلاس دستار بندی منعقد کیا جائے۔ مگر ملک میں حالات اس طرح سامنے آتے رہے کہ ذمہ داران کو جلسے کے انعقاد کا ارادہ ترک کرنا پڑا، دو سال پہلے پھر کچھ علماء نے اس موضوع کی طرف توجہ دلائی، اور مجلس نے اس کی اجازت دی چنانچہ انتظام کی فکر دامن گیر ہوئی، سوچا گیا کہ دارالعلوم کے قیام پر ایک صدی پوری ہونے کے بعد ۱۷ سال زائد ہو چکے ہیں اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی سامنے آئی کہ چودھویں صدی ہجری کا اختتام ہو نیکے ساتھ ہی پندرھویں صدی کا آغاز بھی ہو رہا ہے اس لئے صد سالہ اجلاس کے نام سے یہ تقریب منائی جائے۔

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی خاص توجہ، اساتذہ اور کارکنان کے تعاون سے یہ کام شروع کر دیا گیا۔ اللہ تعالےٰ نے مدد فرمائی، آپ حضرات آج دارالعلوم کے اسی اجلاس صد سالہ کی تقریب میں تشریف فرما ہیں۔ اس اجلاس کا مقصد ۱۳۲۸ھ سے لیکر ۱۳۹۹ھ تک یعنی ۷۲ سال کے کل فضلاء دارالعلوم کی دستار بندی بھی ہے۔ دارالعلوم میں اس عرصہ کے فضلاء کی تعداد بارہ ہزار ہے جن میں زیادہ تر ہندوستان کے باشندے ہیں اور اس تعداد میں ایک تہائی کے قریب غیر ممالک کے فضلاء ہیں۔

دارالعلوم کے دوسرے مستفیدین

ان علماء کے علاوہ ایک بڑی تعداد ان افراد کی بھی ہے جنھوں نے دارالعلوم دیوبند میں قرآن پاک حفظ ختم کیا، تجوید کا مکمل نصاب پڑھا، درجۂ فارسی سے فراغت پائی، درجۂ دینیات اُردو میں کامیابی حاصل کی، درجۂ خوشخطی کا نصاب مکمل کیا، شعبۂ طب سے فراغت حاصل کی یا دارالافتاء میں رہ کر افتاء نویسی کی مشق بہم پہنچائی، ۱۳۹۹ھ تک ان سب کی مجموعی تعداد تین ہزار پانچ سو چوہتر (۳۵۷۴) ہوتی ہے، ایک نوع سے یہ بھی فارغین میں داخل ہیں، مگر انکو دستار دینے کا رواج نہیں رہا ہے۔ جنکی تفصیل درجِ ذیل ہے:-

حفظ قرآن	۶۸۱	اُردو دینیات	۲۴۷	حفص اُردو	۳۵۹
حفص عربی	۴۲۷	سبعہ	۴۷	عشرہ	۴
فارسی	۵۳۳	دورۂ تفسیر	۵۹۸	تکمیل دینیات عربی	۵۴
تکمیل معقولات	۱۴	تکمیلِ ادب	۱۴۵	صف عربی	۱۱
دارالافتاء	۲۶۹	جامعہ طبیہ	۱۸۵		

ان کے علاوہ وہ طلبہ بھی ہیں جنھوں نے دارالعلوم میں داخل ہو کر صرف ناظرہ قرآن پڑھا ہو یا اردو دینیات کے درجوں میں دو تین سال پڑھا مگر نصاب پورا نہیں کیا، یا درجۂ فارسی و عربی کے نصاب کی تکمیل سے

پہلے اپنی کسی مجبوری سے دوسرے کاموں پر لگ گئے ان کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچتی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے ان فارغ شدہ علماء حفاظ، قرأ، فارسی دان مفتیان کرام، اور اطبا نے برّصغیر اور پوری دنیا میں پھیل کر اسلام، مسلمانوں اور ملک وملّت کی جیسی اہم خدمات انجام دی ہیں اس کی تفصیل کے لئے بڑا لمبا وقت درکار ہے، انسانی زندگی کا کونسا گوشہ ہے جنہیں فضلائے دیوبند کی خدمات نمایاں نہیں ہیں۔

عجم سے لیکر عرب تک بلکہ یورپ وافریقہ تک جس قدر اسلامی اور مذہبی درس گاہیں اور دینی، علمی، سماجی، اصلاحی انجمنیں اور تصنیفی وتالیفی ادارے ہیں سب میں بڑی تعداد فضلائے دیوبند ہی کی نظر آئے گی، انھوں نے ہزارہا مدارس دینیہ قائم کئے اور لاکھوں غریب بچّوں کی دینی تعلیم کا انتظام کیا اور انھیں علم وعمل کی دولت سے آراستہ کیا اور ان کی تعمیر وتسخیر میں محنت کی، اگر ان کی تعداد دیکھی جائے تو یہ تعداد بہت دور تک پہنچے گی، علمائے دیوبند ذہن وفکر، علم وعمل، ادب وفن، شعر وشاعری اور خدمت خلق کے لحاظ سے مختلف النوع ہیں۔

ان میں مفسرین ومحدثین متکلمین، فقہائے امت، مبلغین اسلام مجاہدین ملت، مفتیان کرام، مؤرخین اور مختلف علوم وفنون کے ماہرین اور مایۂ ناز افراد ہیں، تصنیف وتالیف کا میدان ہو یا وعظ وتقریر کا، تزکیۂ باطن اور تصفیۂ قلوب کی بات ہو یا سیاسی جدوجہد کا گوشہ، ہر میدان میں علمائے دیوبند آگے نظر آئیں گے، دارالعلوم دیوبند نے ملک وملت کو پاکیزہ اعمال واخلاق اور پختہ عقائد کی جو دولت دی ہے اس کا مقابلہ کسی کے بس کی بات نہیں، یہ سب ہمارے اسلاف واکابر کے اخلاص وللّٰہیت، حسنِ جدوجہد اور سعی پیہم کا ثمرہ ہے۔ رب العالمین سے دعا ہے کہ وہ اس گلشن رنگ وبو کو قائم ودائم رکھے اور ترقی کی منزلوں سے گزارتا رہے۔

جس دور میں ملت کے لئے جس چیز کی ضرورت محسوس ہوئی دارالعلوم نے اپنے یہاں اس کا انتظام کیا۔ یہ ظاہر ہے کہ تبلیغ دین کا کام شروع سے اساتذہ طلباء اور ذمہ داران مدرسہ کرتے رہے ہیں۔

تبلیغِ دین اور ردِّ فِرقِ باطلہ

تقسیم ملک اور آزادی سے پہلے ہندوستان میں اسلام کو صرف عیسائیت ہی سے نبرد آزما نہیں ہونا پڑا تھا بلکہ دوسرے اور بھی بہت سے فتنے تھے جو مذہبی اور سیاسی رنگ میں آتے رہے ان حالات میں ارباب دارالعلوم نے تبلیغ کو ایک مستقل شعبہ کی حیثیت دینا ضروری سمجھا تاکہ مخالفین ومعترضین کے اشکالات وسوالات اور ان کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا بروقت جواب دیا جاسکے اس شعبہ میں ایسے افراد رکھے گئے جو مختلف مذاہب کی تعلیمات اور عقائد سے واقف اور ان پر حاوی تھے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس شعبہ میں مختلف زمانوں میں مختلف مذہبی

اور سماجی فتنوں کا سد باب کیا گیا اور ان کی سرکوبی کا فریضہ انجام دیا،
بدعات وخرافات، قادیانی وخاکساری اور منکرین حدیث کا فتنہ، عیسائیت
کا سیلاب اور دوسرے شرور وفتن جو مختلف شکلوں میں سامنے آئے
علمائے دارالعلوم نے بروقت ان سب کا مقابلہ کیا اور اسوقت تک چین
سے نہیں بیٹھے جبتک یہ سارے فتنے ختم نہیں ہو گئے۔

طلبہ کے لئے سہولتیں

مہمانان کرام! جیسا کہ عرض کیا کہ دارالعلوم کے قیام کے
پہلے ہی سال یہ اعلان کیا گیا تھا کہ دارالعلوم طلبا کو قیام کے ساتھ ہی
طعام کی بھی سہولت مہیا کرے گا، عرصہ تک اس کی صورت یہ رہی کہ
شہر دیوبند کے خوشحال گھرانوں کے ذمہ ایک ایک دو دو طالب علموں کو
حسب توفیق کھانا دینا طے کیا گیا اور وہ کھانا دیتے رہے، جن کا انتظام
گھروں میں نہیں ہوا تو ان کو نقد وظائف دیئے جاتے تھے، جس سے وہ بطور
خود کھانے کا انتظام کرتے تھے، مگر جب طلبہ کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی اور
شہر والوں کے لئے ان سب کو کھانا دینا مشکل ہو گیا، ادھر نقد وظائف پانے
والے طلبہ کا قیمتی وقت کھانا پکانے میں ضائع ہونے لگا تو ارباب مدرسہ
نے ۱۳۲۸ھ سے مطبخ جاری کر دیا اس کے لئے معقول تعداد میں ملازمین
رکھے گئے، اور پھر غیر مستطیع طلبہ کو بلا قیمت اور مستطیع طلبہ کو مطبخ سے پکا ہوا

کھانا قیمتاً دینے کا انتظام کیا گیا، یہ شعبہ آج ۳۵ ملازمین پر مشتمل ہے جہاں
ڈیڑھ سے دو ہزار طلبہ تک کا کھانا دونوں وقت روزانہ تیار کیا جاتا اور
تقسیم کیا جاتا ہے۔

شعبہ خوشخطی کا اجراء

پڑھنے کے ساتھ لکھنے کا جو تعلق ہے ظاہر ہے، پھر اُردو رسم الخط
جس میں عام طور پر ہندوپاک میں کتابیں چھپتی ہیں، یا عربی خط جس میں
عربی کی کتابیں طبع ہوتی ہیں اس زمانے میں ملک ہی میں نہیں بلکہ برصغیر
کے اندر خوش نویسی کی کمی محسوس کی گئی۔ اس وقت دارالعلوم میں اس
طرف خصوصی وضروری توجہ دیگئی اور ۱۳۶۴ھ میں شعبۂ خوشخطی جاری کیا گیا
جس کا ایک مستقل شعبہ ہے تاکہ اس فن کے خواہشمند طلبہ فراغت کے
بعد خط نسخ اور خط نستعلیق کی مشق کر کے عمدہ کاتب بن سکیں اور بوقت ضرورت
اس فن کو ذریعۂ معاش بھی بنا سکیں۔ بحمداللہ اس شعبہ سے بہت سے
علماء نے حسن تحریر کی دولت حاصل کی اور انہی کی وجہ سے خط نسخ و
نستعلیق میں کتابوں کی اشاعت جاری ہے جو ٹائپ سے بہت ارزاں
ہوتی ہے۔

دارالصنائع کا قیام

طلبہ کی معاشی پریشانی کے پیش نظر اور موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق اس کی بھی ضرورت محسوس کی گئی کہ یہاں خواہشمند طلبہ کو صنعت وحرفت بھی سکھائی جائے چنانچہ ۱۳۶۵ھ میں دارالعلوم میں ایک مستقل شعبہ دارالصنائع کے نام سے کھولا گیا جس میں مختلف صنعتیں طلبہ کو سکھائی جاتی ہیں۔

دارالعلوم کی تعمیراتی ترقی

طلبہ کے قیام کی سہولت کے لئے مختلف اوقات میں دارالاقامہ کی عمارات تیار ہوئیں، اس سلسلے میں سب سے پہلی عمارت نودرہ کی ہے جس کا پورا حلقہ اس وقت درس گاہوں اور کشادہ ہال پر مشتمل ہے لیکن جیسے جیسے طلبہ کی تعداد بڑھتی گئی عمارات میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔

۱۳۱۶ھ میں سب سے پہلے ایک احاطہ دارالعلوم میں دارالطلبہ کے نام سے تیار ہوا، جس کی بطور خاص خوشی منائی گئی، اس کے ساتھ صدر دروازہ پر دارالمشورہ کی عمارت تیار ہوئی۔

قدیم مہمان خانہ بنا، ۱۳۳۷ھ میں طلبہ کی تعداد جب دوگنا ہو گئی

تو دار جدید کی بنیاد ڈالی گئی اور اس کی تعمیر کا کام عرصہ تک جاری رہا۔ اس دارالاقامہ کی تکمیل ۱۳۶۰ھ میں ہوئی، یہ دارالعلوم کا سب سے وسیع دارالاقامہ ہے جس میں ۱۰۹ کمرے صرف نچلی منزل میں ہیں بعد میں اس کے اوپر بھی کمرے بنائے گئے جس کی تکمیل سال رواں میں ہو رہی ہے اور اتنے ہی کمرے اوپر کی منزل پر بھی بنا دیئے گئے بلکہ یہ تعداد کچھ زائد ہی ہو جائے گی۔ درمیانی مدت میں حسب ضرورت دارالاقامہ اور بھی بنا دیئے گئے جن میں افریقی منزل قدیم وجدید قابل ذکر ہیں، ماشاء اللہ اس دارالاقامہ میں کافی وسعت اور کشادگی ہے، چھتے کی مسجد کے سوا کوئی دوسری مسجد نہیں تھی جس کی وجہ سے قیام پذیر طلبہ کے نماز پڑھنے میں دشواری پیش آتی تھی اسی کے پیش نظر ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم کی مسجد کی بنیاد ڈالی گئی جو ۱۳۲۸ھ میں بنکر تیار ہوگئی۔ بعد میں ۱۳۴۹ھ میں اس مسجد کی بالائی منزل کا اضافہ ہوا۔ ۱۳۳۳ھ میں دیوبند کے ریلوے اسٹیشن کے متصل بھی ایک مسجد تیار کرائی گئی تاکہ مسلم مسافروں کو نماز پڑھنے میں سہولت رہے ابھی گزشتہ سال چھتے کی مسجد میں چار صفوں کی جگہ کا بھی اضافہ کیا گیا اور اس کی مرمت وتزئین کے بعد رونق دوبالا کی گئی، جمعہ کی نماز میں جو تکلیف ہوتی تھی بڑی حد تک اس کا ازالہ بھی ہو گیا۔

۱۳۵۸ھ میں دارالحدیث کی بالائی منزل پر دارالتفسیر کے نام سے ایک عمارت بھی بنائی گئی۔ دارالعلوم کی یہ سب سے بلند عمارت ہے، اس پر عمدہ گنبد بنا ہے جو اپنی بلندی اور عظمت میں ممتاز ہے اور بہت دور

سے نظر آتا ہے۔ اس سال اس کی صفائی اور تزئین میں مزید اضافہ ہوا ہے ۱۳۵۹ھ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند افغانستان تشریف لے گئے تو شاہ محمد ظاہر سابق والئی افغانستان نے ایک رقم پیش کی، واپس آکر حضرت مہتمم صاحب نے مزید روپیہ چندہ کر کے باب الظاہر کے نام سے غربی دروازہ تیار کرایا، ان کے علاوہ بھی مختلف زمانوں میں مختلف عمارات بنیں، جیسے دار القرآن، یادگار سعدی رح کتب خانہ کا جدید ہال، دفتر محاسبی، دفتر تنظیم و ترقی، جدید مہمان خانہ، جامعہ طبیہ، دار المدرسین و ملازمین اور دیگر درس گاہیں وغیرہ۔

حضرت نانوتوی بانئ دارالعلوم دیوبند کی وفات

حاضرین اجلاس جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ دارالعلوم کے محرک اول اور اولین سرپرست استاذ علماء شیخ اکبر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ ہی تھے۔ مورخہ ۴ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ میں آپ کی وفات واقع ہوگئی، دارالعلوم کے لئے یہ ایک زبردست اور اندوہناک حادثہ تھا، ارباب مدرسہ اس سے بہت دل گیر و غمگین ہوئے، اس سال کی روداد میں ان الفاظ کے ساتھ تاثرات کا اظہار کیا گیا ہے کہ:۔

”پندرھویں سال کا ختم ہونا اور سولہویں سال کا شروع ہونا اس قدر باعث خوشی نہیں جس قدر اس کے مربی و سرپرست حضرت فخر العلماء مولانا مولوی محمد قاسم صاحب رح کا اس جہانِ فانی سے عالم جاودانی کو تشریف لیجانا باعث حسرت و افسوس ہے۔ مولانا موصوف کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ اطراف عالم میں اظہر من الشمس ہیں، مدت العمر اسلام اور اہل اسلام کی خیر خواہی میں مصروف رہے اپنی تمام عمر اعلاء کلمۃ اللہ میں صرف فرمائی، کیونکہ اس چشمۂ فیض کا منبع اور اس آبِ حیات کے مصدر اور آفتاب عالم تاب کے مظہر آپ ہی تھے، حق تو یہ ہے کہ اس شمس الاسلام کے ہی حسنِ نیت و سعی کا یہ نتیجہ ہے کہ ملک ہندوستان میں بایں ہمہ ضعف اسلام اور اسلامیان علم و دین کو کس زور سے پھیلایا۔ مولانا مرحوم کی یہ عمدہ کرامت نہیں تو اور کیا ہے مدرسہ اور اہل مدرسہ جس قدر اس واقعۂ غمناک سے غمگین ہوں کم ہے۔“ (روداد ۱۲۹۷ھ)

حضرت نانوتوی کے تلامذہ سے علم حدیث کی کافی اشاعت ہوئی، اور علماء دیوبند کا سلسلۂ حدیث حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے واسطے سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح تک پہنچتا ہے، استاذ العلماء حضرت

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، محدث زماں حضرت مولانا احمد حسن امروہویؒ
حضرت مولانا عبد العلیؒ، حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ، حضرت مولانا
منصور علی مراد آبادیؒ، حضرت مولانا رحیم اللہ بجنوریؒ، حضرت مولانا محی الدین
خاں مراد آبادیؒ اور دوسرے علمائے کبار مشہور زمانہ سب آپ کے ہی
تلامذہ میں تھے اور ان سے علم حدیث کی خدمت جیسی انجام پائی ظاہر ہے

حضرت گنگوہیؒ کی سرپرستی

حضرت نانوتوی کی وفات کے بعد دار العلوم کی سرپرستی کی ذمہ داری
آپکے ہم سبق اور ساتھی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی پر ڈالی گئی جو اپنے
دور میں مشہور محدث اور اہلِ دل بزرگ تھے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ
آپ نے اپنی پوری زندگی دار العلوم کی دیکھ بھال فرمائی اور اپنے قیمتی
مشوروں سے نوازتے رہے، ۱۳۲۳ھ میں آپ کی بھی وفات ہو گئی اور
آپ کی جگہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی کو دار العلوم
کا سرپرست تجویز کیا گیا۔

۳ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ میں دار العلوم کے اولین صدر المدرسین
حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ جس سے
اربابِ دار العلوم اور اکابرین دار العلوم کو بڑا غم ہوا۔ آپ ایک صاحب
باطن بزرگ اور بلند پایہ محدث تھے بڑے بڑے باکمال علماء آپ کے

تلامذہ میں تھے آپ کے بعد صدارت تدریس پر حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ
فائز ہوئے اور ۱۳۰۸ھ تک آپ نے یہ فریضہ بحسن و خوبی انجام دیا۔ انھوں
نے اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے ۱۳۰۸ھ میں استعفیٰ دے دیا اور
وطن چلے گئے۔

حضرت شیخ الہند کا صدارتِ تدریس پر تقرر اور سیاسی خدمات

انکے بعد اس منصب پر ۱۳۰۸ھ میں حضرت نانوتوی کے محبوب شاگرد اور دار العلوم
کے سب سے پہلے طالب علم شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن قدس سرہٗ
کو اس منصب پر فائز کیا گیا۔ جو ۱۲۹۱ھ سے دار العلوم میں مدرس چلے
آرہے تھے اور اسی مدرسہ کے از اوّل تا آخر تعلیم و تربیت یافتہ تھے، کہنا
چاہیئے کہ اسی سال سے دار العلوم کے وہ اہل علم حضرات اس منصبِ جلیلہ
پر آنے شروع ہوئے جنھوں نے دار العلوم ہی میں تعلیم و تربیت اور
فراغت حاصل کی تھی۔

شیخ الہندؒ کے زمانے میں دار العلوم کو ہمہ جہت علمی و تعلیمی ترقی
حاصل ہوئی اور دار العلوم کا نام دُنیا کے مختلف گوشوں میں پہنچا آپ کی
درس گاہ سے ممتاز علماء پیدا ہوئے جن کے علم و فضل اور طہارت و تقویٰ

کی مثال نہیں ملتی ، اور ان کے ذریعہ دارالعلوم کا فیض برصغیر میں خوب پھیلا ، محدث جلیل علامۃ العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ ، حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ ، حضرت مولانا فخرالدین احمد مرادآبادیؒ ، مفتیٔ اعظم مولانا محمد کفایت اللہ صاحب دہلویؒ ، حضرت مولانا محمد عبیداللہ صاحب سندھیؒ ، مولانا عبدالوہاب دربھنگویؒ ، مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری مولانا مفتی محمد سہول صاحب بھاگلپوریؒ ، اور دوسرے اکابر علماء آپکے تلامذہ میں شامل ہیں شیخ الہند سے جہاں علم وعمل کا آفتاب روشن ہوا ، وہیں سیاست اور ملک کی آزادی کا صور بھی پھونکا گیا ، آپ نے اس سلسلے میں طویل مدت تک مالٹا میں اسارت کی زندگی گزاری ۱۳۳۵ھ سے لیکر ۱۳۳۸ھ تک آپ حکومت برطانیہ کے باغی کی حیثیت سے مذکورہ جزیرہ میں نظربند رہے ۲۲ر جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ کو اپنے رفقاء (شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی حکیم نصرت حسینؒ اور مولانا عزیر گل) کے ساتھ فوجی نگرانی میں ہندوستان روانہ کئے گئے ، اور ۲۲ر رمضان ۱۳۳۸ھ کو بمبئی کی سرزمین پر قدم رکھا ، ۲۶ر رمضان کو دیوبند تشریف لائے مگر صد افسوس واپسی کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ سکے ، مالٹا میں صحت کافی متأثر ہوچکی تھی ، ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کے دوسرے ہفتہ میں جامعہ ملیہ کے افتتاح کے لئے علیگڈھ تشریف لے گئے ، وہاں بڑا ہی درد انگیز اور حوصلہ افزا خطبہ پڑھا ، وہاں سے واپسی پر دہلی میں طبیعت خراب ہوگئی اور ۱۸ر ربیع الاول ۱۳۳۹ھ یوم

سہ شنبہ کو وطن سے دور ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی واقع دریا گنج دہلی میں آپ نے آخری ہچکی لی اور اپنے مالک حقیقی سے جاملے ، جنازہ دیوبند لاکر سپرد خاک کیا گیا۔

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ و حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اور خدمتِ حدیث۔

شیخ الہند کے بعد صدارت تدریس پر حضرت مولانا علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ فائز ہوئے ، اور آپ کے استعفیٰ کے بعد ۱۳۴۷ھ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ، بلائے گئے ، ان دونوں بزرگوں کے دور میں بھی دارالعلوم نے ہر اعتبار سے بہت ترقی کی طلبہ کی تعداد میں اضافہ ہوا ، ان حضرات کے علمی اور عملی کارناموں کی تفصیل حیاتِ انور ، نقش دوام اور نقش حیات میں دیکھی جاسکتی ہے ، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اور حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا دور علمی وسیاسی بصیرت ، فکر و تحقیق اور آزادیٔ ملک کی جدوجہد کا دور تھا ۔ حضرت شیخ الاسلام کے زمانہ میں ملک وقوم کو آزادی حاصل ہوئی ، جس میں آپ کا بڑا حصہ رہا ہے خواہ اس دور کے سیاسی لوگ آج اس کا اعتراف نہ کریں ۔ ان حضرات کے بعد صدارتِ تدریس پر یکے بعد دیگر حضرات علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ اور حضرت مولانا فخرالدین احمد صاحب مرادآبادیؒ ، کے علاوہ مولانا سید فخرالحسن صاحب عمروہی اور

مولانا شریف الحسن صاحبؒ دیوبندی کا تقرر صدارت تدریس و شیخ الحدیث کے عہدوں پر عمل میں آیا۔ ان حضرات کے دور صدارت میں بھی دارالعلوم میں ترقی ہوئی اور اچھے علماء پیدا ہوئے حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ، مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ، مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ، مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ، مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا صدیق احمد نجیب آبادی مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی، مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی۔ مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ حسن علوی، اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی مدظلہ، جیسے بہت سے اساتذۂ حدیث، تفسیر فقیہ، ادیب اور مبلغ اسلام پیدا ہوئے۔

حضرت مدنی کے تلامذہ میں حضرت مولانا فخر الحسن مرادآبادی، مولانا محمد حسین بہاری، مولانا معراج الحق صاحب دیوبندی، حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی، مولانا اسعد صاحب مدنی، مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری، مولانا عبدالجلیل صاحب امیر شریعت آسام، مولانا طاہر حسن امروہوی، مولانا قاضی سجاد حسین صاحب کرتپوری، مولانا عبدالسمیع صاحب صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتح پوری (دہلی) اور مولانا احمد علی لاہوریؒ سیکڑوں اساتذۂ علم وفن اور نمایاں شخصیات ابھر کر سامنے آئیں۔

دارالعلوم کے رسائل واخبارات

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کے دورۂ اہتمام میں عوام اور خواص دونوں کو پیش نظر رکھکر ۱۳۳۱ھ میں ماہنامہ القاسم جاری ہوا جس کے مدیر مسئول اس وقت کے نائب مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی (م ۱۳۴۷ھ) تھے اور مضمون نگاروں میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اعزاز علی صاحبؒ، نوجوانوں میں قاری محمد طیب صاحب مدظلہ، مولانا مناظر احسن صاحب گیلانیؒ، مولانا عبدالحفیظ صاحب دربھنگویؒ، منتظم اول کتب خانہ دارالعلوم، مولانا محمد طاہر صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین صاحبؒ اور اسی طرح کے دوسرے مؤقر حضرات تھے۔

۱۳۳۲ھ میں حضرت گنگوہی کی یاد میں دوسرا ماہنامہ اردو، "الرشید" کے نام سے نکالا گیا، ان دونوں رسائل کے ذریعہ دارالعلوم نے ملت اسلامیہ کی گرانقدر علمی اور روحانی خدمات انجام دیں، آج بھی ان رسالوں کے فائل دیکھے جا سکتے ہیں، جن میں مضامین جاندار، مؤثر تحقیقی اور علمی ہیں۔ عرصہ تک یہ دونوں رسالے نکلتے رہے مگر دس بارہ سال کے بعد ۱۳۴۱ھ میں کچھ ایسے حالات و موانع پیش آئے کہ یہ دونوں رسائل بند ہو گئے۔

درمیان میں ایسا وقفہ گزرا جس میں دارالعلوم کا کوئی علمی ترجمان نہیں رہا تھا، ۱۳۶۰ھ میں حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے مشورے سے ایک رسالہ "دارالعلوم" کے نام سے نکالنا طے پایا جس کے پہلے ایڈیٹر مولانا عبدالوحید غازی پوری قرار پائے، پھر قاضی خلیق احمد صدیقی اور مولانا عبدالحفیظ بلیاوی کو اس کا مدیر بنایا گیا، آخر میں اس کی ادارت مولانا سید محمد ازہر شاہ صاحب قیصر کے سپرد ہوئی، اور اب تک یہ رسالہ موصوف کے زیر ادارت ہی پابندی کے ساتھ نکل رہا ہے۔ رسالہ دارالعلوم نے گزشتہ ۳۰ برس میں اپنے مقالات و مضامین سے علم و دین کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔

بہت دنوں تک اردو ترجمان کی حیثیت سے صرف رسالہ دارالعلوم ہی نکلتا رہا مگر جب دنیا کے حالات نے ایک بار پھر انقلابی کروٹ لی اور عرب ممالک سے ہندوستان کے تعلقات استوار ہوئے تو یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس درس گاہ سے ایک عربی ترجمان بھی جاری کیا جائے، تاکہ دارالعلوم کا پیغام عرب دنیا تک پہنچ سکے ۱۳۸۴ھ میں مجلس شوریٰ نے ایک سہ ماہی عربی رسالہ "دعوۃ الحق" کے نام سے نکالنے کی تجویز منظور کی، مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی کی ادارت میں یہ رسالہ آب و تاب سے نکلنا شروع ہوا، اور کافی عرصہ تک نکلتا رہا۔ لیکن دو سال پہلے جب دارالعلوم کے اجلاس صد سالہ کی تجویز مجلس شوریٰ کے سامنے آئی تو ۱۳۹۷ھ میں طے پایا کہ سہ ماہی رسالہ "دعوۃ الحق" کی جگہ پر ایک پندرہ روزہ عربی اخبار "الداعی"

کے نام سے نکالا جائے۔ چنانچہ یہ اخبار مولانا بدر الحسن صاحب کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا۔ بحمد اللہ یہ اخبار اب تک پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

دارالعلوم پر انگریزی حکومت کی نظر

علمائے کرام اور معزز حاضرین اجلاس! یہ ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے اس دارالعلوم کو قائم کیا تھا ان میں بعض انگریزی حکومت کے کھلے ہوئے مخالف تھے اور انہوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزی فوج کا مقابلہ کیا تھا اس لئے انگریزی حکومت ہمیشہ اس مدرسے سے خائف اور بدظن رہی اور خفیہ طور پر اس مدرسہ کی نگرانی بھی کراتی رہی، ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۵ء میں صوبہ یو، پی کے انگریز گورنر نے اپنے ایک معتمد جون پامر نامی انگریز کو دارالعلوم بھیجا کہ وہ یہاں کے حالات کی تحقیقات کرے اور ذمہ دارانہ رپورٹ پیش کرے، اس نے تحقیقات کے بعد گورنر کو کیا رپورٹ دی اس کا تو علم نہیں مگر اس نے اپنے ایک دوست کے خط میں دارالعلوم دیوبند کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے۔ جن سے دارالعلوم کی عظمت اور تعلیمی بہتری کا اندازہ ہوتا ہے وہ لکھتا ہے کہ:

"یہاں دارالعلوم کے لوگ تعلیم یافتہ، نیک چلن، اور نہایت

سلیم الطبع ہیں۔ کوئی ضروری فن ایسا نہیں جو یہاں پڑھایا نہ جاتا ہو
جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپے خرچ کرکے ہوتا ہے
وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ میں کر رہا ہے مسلمانوں
کے لئے اس سے بہتر کوئی تعلیم گاہ نہیں ہو سکتی۔ انگلستان میں
اندھوں کا اسکول سنا تھا مگر یہاں آنکھوں سے دیکھا، مجھے افسوس
ہے کہ آج سر ولیم موجود نہیں ہیں ورنہ بکمال ذوق وشوق اس
اس مدرسہ کو دیکھتے اور طلبہ کو انعام دیتے۔"

دوسری بار ۱۳۲۲ھ میں صوبہ یو، پی کا انگریز گورنر "سر جیمس" خود
دارالعلوم دیکھنے کے نام پر آیا یہ اُردو زبان سے اچھی طرح واقف تھا
اس نے بھی مخالفت کے باوجود دارالعلوم کے نظم ونسق کی تعریف کی
اور تعلیم وتربیت کو کافی سراہا۔

پندرہ اگست ۱۹۴۷ء کو ملک آزاد ہوا اس کی سب سے زیادہ
خوشی علماء دارالعلوم کو ہوئی کیونکہ جس آزادی کے حصول کیلئے دارالعلوم
دیوبند کا قیام عمل میں آیا تھا اور جس تحریک آزادی کی راہ حضرت مولانا محمد
قاسم صاحب نانوتویؒ نے متعین کی تھی۔ اسی راہ پر چل کر آپ کے
علمی اور روحانی فرزندوں نے اذیتیں اور تکالیف برداشت کیں، مگر کام
کرتے رہے اور مسلسل آزادی کی جنگ لڑتے رہے۔ شیخ الہند نے ریشمی
رومال کی تحریک چلائی اور اسی کی پاداش میں جزیرۂ مالٹا کی نظر بندی
گوارا کی، اور آپ کے ساتھ آپ کے بعض تلامذہ نے بھی قید وبند کی

صعوبتیں وہاں برداشت کیں، ادھر ہندوستان میں آپ کے تلامذہ
مسلسل انگریزی حکومت کے خلاف صف آرا رہے۔ اور اس جرم میں
برسوں جیل میں رہے، لاٹھیاں کھائیں، توہین وتذلیل گوارا کی، مگر اپنے
استاد کے مشن کی کامیابی کے لئے اس جدوجہد کو برابر جاری رکھا، بعض حضرات
نے جلاوطنی کی زندگی گذاری، آخر ہندوستان آزاد ہوا۔

اس موقعہ پر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم
دیوبند نے ۱۵/۱۶ اگست کی درمیانی شب میں دارالعلوم ہی میں طلبہ
علماء اور شہری مسلمانوں کے سامنے تقریر فرمائی تھی۔ اس کے چند
جملے ملاحظہ فرمالیئے جائیں۔ مذکورہ موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ:۔

"آج کا مبارک دن ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ
یادگار رہے گا۔ دنیا کی ایک عظیم الشان سلطنت اس
آسانی اور سہولت سے ختم ہورہی ہے کہ دنیا کی تاریخ
اس کی مثال پیش نہیں کرسکتی، ہم اس کامیاب انقلاب
پر تمام باشندگانِ ملک کو مُبارک باد دیتے ہیں۔
ناسپاسی ہوگی اگر اس موقعہ پر ہم ان اکابرِ ملت کی
مساعی کا تذکرہ نہ کریں جنھوں نے حقیقتاً اس آزادی
کا سنگِ بنیاد رکھا تھا، اور اس وقت رکھا تھا جب
آزادی کے تصوّر سے بھی اس ملک کے باشندوں کے
دل ودماغ خالی تھے، یہ شاہ ولی اللہ کے جانباز شاگردوں

لی مجاہد جماعت ہے۔ جو دو سو برسوں سے مسلسل اس
سعی میں نہ صرف قلم اور روشنائی سے بلکہ شمشیر اور
خون سے اس کی راہ نوردی کر رہی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں
بانئ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب
نانوتوی قدس سرہٗ بقول حضرت گنگوہی اس تصور
کے سب سے بڑے حامل اور اس جوش کے سب سے
بڑے امین تھے۔

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اس دنیا سے گئے
تو آپ کے صحیح اور سچے جانشین حضرت شیخ الہند نے
جو ان کے علم اور نظریات کے جائز وارث تھے اس
پوری جماعت کیساتھ تحریک آزادی کو جاری رکھا، آزادی
کا جو جذبہ مسلمانوں سے گزر کر ابنائے وطن تک پہنچا تو
وہ بھی سرگرم ہو گئے اور ہندو مسلم کی انتھک مساعی و
قربانیوں کا یہ ایک شیریں ثمرہ ہے جو آج ملک کی آزادی
کی شکل میں ہمارے سامنے ہے، آج (۱۵ اگست ۱۹۴۷ء)
ملک کی آزادی میں جہاں ان کے لئے انتہائی خوشی
کا مقام ہے وہیں اس فکر کا موقع بھی ہے کہ ان کی
اجتماعی حیات کی اب اس ملک میں کیا صورت ہو گی ؟
اس کے لئے ابھی سے قدم اٹھایا جانا چاہئے، شریعت مقدسہ

کی روشنی میں صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ اپنے
شرعی نظام کو قائم کرنے کے لئے اپنے ہی میں سے
کسی امام اور متدین امیر کا انتخاب کریں، اور تمام مسلم
جماعتیں منتشر رہنے کے بجائے متحد ہوں۔“

دارالعلوم میں واردین وصادرین

جیسا کہ گزشتہ حالات اور واقعات سے یہ بات سامنے آچکی ہے
کہ علمائے دارالعلوم اور تحریک دارالعلوم رفتہ رفتہ اس معیار اور شہرت
کے بام عروج پر پہنچ چکی تھی کہ یہاں ملکی ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی اونچے
درجے کے علماء نیز تحریکوں کے افراد بھی تشریف لاتے رہے اور اس کا
دائرۂ تعارف بڑھتا رہا اسی سلسلے میں ۱۳۷۶ھ میں حکومت کے وزیر
تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ ۲۹ ربیع الاول کو دارالعلوم
تشریف لائے اور دارالعلوم کی عظمت و تقدیس کا پورا پورا احترام کیا گیا،
اس موقع پر انھوں نے دارالعلوم کے طلباء، اساتذہ، اہلِ شہر اور ذمہ
داران کے سامنے ایک تاریخی و مؤثر تقریر فرمائی، انھوں نے دارالعلوم
کو خراج عقیدت پیش کیا۔

آپ کے بعد ۱۳۷۶ھ میں ہندوستان کے اولین صدر جمہوریہ
ڈاکٹر راجندر پرشاد ۱۳ رجولائی ۱۹۵۷ء کو دارالعلوم میں تشریف لائے

دارالعلوم نے ان کا شایانِ شان استقبال کیا اور خوش آمدید کہا، صدر جمہوریہ نے بڑے ذوق وشوق سے دارالعلوم کا معائنہ کیا اور اس ادارہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اپنے تاثرات کا اظہار درجِ ذیل انداز میں فرمایا کہ:-

"دارالعلوم دیوبند کے بزرگ علم کو علم کے لئے پڑھتے پڑھاتے رہے ہیں۔ ان لوگوں کی عزت بادشاہوں سے بھی زیادہ ہوتی تھی، آج بھی دارالعلوم کے بزرگ اسی طرز پر چل رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف مسلمانوں کی ہی خدمت نہیں بلکہ پورے ملک اور دنیا کی خدمت ہے، میں یہاں سے بہت کچھ سیکھ کر جا رہا ہوں۔"

ڈاکٹر راجندر پرشاد کے بعد صدر جمہوریہ ہند جناب فخرالدین علی احمد مرحوم بھی اپنے دورِ صدارت میں دارالعلوم تشریف لائے اور اس کی خدمات کو سراہا۔ حکومت ہند کے علاوہ دوسرے ممالک کے بھی بہت سے سربراہ دارالعلوم تشریف لائے ان میں شاہ افغانستان اور مصر کے صدر انور السادات قابلِ ذکر ہیں۔ محمد ظاہر شاہ سابق والی افغانستان ۱۳۷۷ھ میں آئے اور اور صدر انور السادات ۱۳۷۴ھ میں ان حضرات نے بھی دارالعلوم کی خدمات کی نہایت مؤثر انداز میں توصیف فرمائی اور اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا۔ ان کے علاوہ بھی دنیا کے مختلف ممالک کے بیسیوں اہلِ علم دنیا کی مختلف

یونیورسٹیوں کے پروفیسر صاحبان اور ریسرچ اسکالرس وقتاً فوقتاً یہاں تشریف لاتے رہے ہیں اور دارالعلوم کی خدمات سے متاثر ہو کر واپس ہوئے، بعض اہلِ علم جو ریسرچ کرنے کے لئے یہاں آئے انھوں نے ہفتوں قیام کیا اور دارالعلوم کے عظیم کتب خانے سے مستفید ہوئے۔

دارالعُلوم کے علماء و فضلا کی ہمہ گیر خدمات کا مختصر جائزہ

محترم حضرات!

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد دارالعلوم نے جو تعلیمی، علمی، دینی، اصلاحی، سماجی، تبلیغی اور سیاسی خدمات انجام دی ہیں وہ ہندوستان کی تاریخ کا سب سے زیادہ روشن باب ہے۔ مسلمانوں کا یہ دھڑکتا ہوا دل رہا ہے، ذہنی نشوونما اور اخلاقی اقتدار کا محافظ ہے، ملی جرأت و ہمت اور تہذیب و شائستگی کا مرکز و محور ہے اس کی خدمات سے دنیا کا گوشہ گوشہ منور ہے، یہ کتاب و سنت کا گہوارہ اور مسلمانوں کی علمی و عملی زندگی نیز عقائد کی حفاظت کا مضبوط ترین قلعہ رہا ہے۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کا انقلاب بھی ہندوستان کے مسلمانوں کے

حق میں ایک طرح سے طوفان بن کر آیا۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ اگر ایک طرف آزادی کی مسرت تھی تو دوسری طرف مسلمانوں کے لٹنے، برباد ہونے اور تباہ ہونے کا غم بھی تھا ماضی قریب کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ یہ وقت بھی ملک کے مسلمانوں کے لئے کچھ کم صبر آزما نہیں رہا یہ نہایت حوصلہ شکن تھا بلکہ بعض اعتبار سے ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے یہ بہت ہی زیادہ خطرناک وقت تھا، اس وقت بھی دارالعلوم دیوبند اور علمائے دیوبند نے اپنا فرض پوری مستعدی کے ساتھ ادا کیا، مسلمانوں کو صبر و استقامت کی تلقین کی، حکومت کے ذمہ داران کو توجہ دلائی اور آگ وخون کی بارش میں ملت اسلامیہ کی بقا و تحفظ کا فرض ادا کیا۔

۱۹۴۷ء کے انقلاب میں لاکھوں جانیں برباد ہوگئیں، اور لاکھوں گھر جلا دیئے گئے مسلمانوں کا اس برصغیر میں جانی و مالی نقصان اندازوں سے کہیں زیادہ ہوا مگر الحمد للہ ایسا نہیں ہوا کہ ان میں کسی خوف و دہشت کے تحت دینی نقطۂ نظر سے اسلام کی نسبت کمزوری یا اضمحلال پیدا ہوا ہو، سیکولر ملک میں مذہبی تعلیم کا انتظام ملک کے طول وعرض میں مسلمانوں نے خود کیا، ہزاروں مدارس دینیہ پورے ملک میں جاری ہوگئے اور آج کوئی بھی بڑی مسلم آبادی یہاں ایسی نہیں کہ جہاں چھوٹی یا بڑی کوئی دینی درسگاہ نہ کھولی گئی ہو، مدارس دینیہ کے جاری کرنے والے ان حضرات میں بڑی تعداد فضلائے دارالعلوم دیوبند کی ہے اس سلسلے میں یقیناً دارالعلوم کے فضلاً کی ایک بڑی تعداد شب و روز کام کر رہی ہے اور اسی ادارہ کے فیض و تربیت یافتہ

فضلاء نیز اس درسگاہ سے محبت کرنیوالے ہی اس وقت حتی الوسع دینی اور دنیاوی امور میں مسلم معاشرے کی خدمات انجام دے رہے ہیں ان حضرات نے جہاں مسلم معاملات پر اپنی تمام توجہ دی وہیں حکومت ہند کو بھی بروقت اور بہترین مشورے بھی دیئے اور آزادی کی نعمت اور قدر و قیمت نیز استحکام کی طرف بھی متوجہ کیا۔ اللہ تعالےٰ ایسے تمام لوگوں کی ان مخلصانہ خدمات کو قبول فرمائے۔

عہد حاضر اور دارالعلوم

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ سب دارالعلوم کی ماضی کا ایک سرسری جائزہ تھا اب اختصار کے ساتھ اس کا حال بھی سامنے رکھدینا مناسب معلوم دیتا ہے۔ اس وقت ہم میں سب سے قدیم خادم اور سب سے عمر رسیدہ بزرگ دارالعلوم کے موجودہ سربراہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند ہیں۔ آپ کی تمام تر تعلیم و تربیت دارالعلوم کی رہین منت ہے۔ فراغت کے بعد درس و تدریس کے منصب پر فائز ہوئے اور پوری تندہی و دلچسپی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دینے لگے، مگر ۱۳۴۱ھ میں اراکین مجلس شوریٰ نے اتفاق رائے سے آپ کو نیابت اہتمام کا عہدہ پیش کیا چونکہ یہ عہدہ آپ کے علمی ذوق کے خلاف تھا اسلئے آپ کے اصرار پر آپ کو شعبۂ تعلیم کی طرف منتقل کر دیا گیا، لیکن اکابر نے بہت

مجبور کیا جس کے نتیجہ میں نیابت اہتمام کا عہدہ قبول کرنا پڑا ۱۳۴۸ھ تک اسی عہدہ پر رہ کر دارالعلوم کی انتظامی اور ساتھ ہی ساتھ تعلیمی خدمات بھی انجام دیتے رہے، لیکن جب حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ عالم جاودانی کی طرف رخصت ہو گئے تو ۱۸ر شوال ۱۳۴۸ھ کو آپ عہدۂ اہتمام پر فائز کئے گئے، اس وقت سے آج تک آپ اس عہدۂ جلیلہ پر فائز ہیں اور دارالعلوم کی خدمات میں مسلسل منہمک ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کے دورۂ اہتمام میں دارالعلوم باعتبار شہرت و عظمت دنیا کے دور دراز گوشوں میں پہنچ چکا ہے، بچہ بچہ آپ کے خلق، مروّت، علم و عمل، فرض شناسی امانت اور دیانت سے واقف ہے، یہ واقعہ ہے کہ اس پایہ کا مہتمم دارالعلوم دیوبند کو آئندہ شاید نہ مل سکے، سارے مدرسین و ملازمین اور کارکنان دفاتر آپ کے اخلاق اور حوصلہ پر یقین رکھتے ہیں، آپکی شخصیت علمی گہرائیوں، تحقیق و تصنیف کی نمایاں خدمات وعظ و تذکیر تقویٰ و طہارت اور تنظیمی صلاحیت کی ایک بہترین مثال ہے آپ کے ساٹھ سالہ دورِ اہتمام میں دارالعلوم نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کی ہیں، آپ جس وقت عہدۂ اہتمام پر تشریف لائے تھے اسمیں اور آج میں بڑا اور نمایاں تفاوت ہے اس وقت دارالعلوم کا مالی بجٹ تقریباً ۳۰ر لاکھ روپیہ ہے جو مسلمانوں کے عام چندہ سے پورا ہوتا ہے، کم و بیش ڈھائی سو مدرسین و ملازمین ہیں جن کی مجموعی تنخواہ ماہانہ ۸۰ر ہزار روپے ہے بحمد اللہ ہر ماہ کے آغاز میں مشاہرہ تقسیم ہو جاتا ہے، بوقت ضرورت دارالعلوم اپنے ملازمین

کو قرض بھی دیتا ہے، جو ان کے مشاہرہ سے وضع کر لیا جاتا ہے، دو ہزار طلبہ زیر تعلیم ہیں ان میں سے ایک ہزار کی کفالت دارالعلوم کے ذمہ ہے، جس میں دونوں وقت کھانا، سال میں چار جوڑے کپڑے، ایک جوڑا جوتا اور دس روپیہ ماہانہ نقد وظیفہ جو روشنی اور کپڑوں کی دھلائی کے لئے ہوتا ہے ہر ایک طالب علم کو دیا جاتا ہے، اس کے علاوہ دارالاقامہ میں رہائش پانی، روشنی، کتابیں، دوا اور علاج سبھی کا نظم مدرسہ کے ذمہ ہے۔

باقی جو طلبہ مدرسہ سے امداد نہیں لیتے ان کے لئے بھی دارالعلوم پانی روشنی دارالاقامہ میں جگہ اور کتابیں مفت فراہم کرتا ہے، تعلیم کی کسی بھی قسم کی کوئی فیس یہاں نہیں لی جاتی یہ تمام کتابیں سب ہی طلبہ کو عاریۃً دی جاتی ہیں اور سال کے آخر میں واپس لے لی جاتی ہیں، دارالعلوم متعدد شعبہ جات پر مشتمل ہے ان میں سب سے اہم اور بنیادی شعبہ تعلیمات کا ہے یہ شعبہ بھی متعدد حصّوں میں تقسیم ہے، عربی درجات، فارسی درجات، درجات اُردو دینیات، درجات خوشخطی، درجات حفظ قرآن، درجات قرأۃ (تجوید) وغیرہ اس کے تحت ہیں۔

اس وقت درجات عربی میں ۱۳۶۸ طلبہ داخل ہیں، درجات فارسی میں تعداد ۵۲ ہے، درجات اردو دینیات میں ۱۳۸ بچے زیر تعلیم ہیں درجات حفظ قرآن میں، ۱۱ لڑکے حفظ قرآن کی دولت حاصل کر رہے ہیں، اور درجات تجوید میں ۱۰۴ طلبہ ہیں جو حفظ قرآن تجوید کی تعلیم اور تمرین کی مشق میں مشغول ہیں، درجات خوشخطی میں طلبہ کی تعداد ۵۶ ہے، اور

جامعہ طبیہ میں ۱۰۷ طلبا حصول علم طب میں مشغول ہیں، گویا اس طرح دارالعلوم کے طلبہ کی مجموعی تعداد ۱۹۴۲ ہوتی ہے۔ جامعہ طبیہ ایک مستقل شعبہ ہے فراغت کے بعد طلبا اس میں داخل ہوتے ہیں اس کے علاوہ شعبہ دارالافتاء میں تیس ۳۰ طلبہ مشق افتاء کے لئے داخل ہیں۔ سولہ ۱۶ طلبہ دارالصنائع میں صنعت سیکھ رہے ہیں۔ دو طلبہ دارالعلوم پریس میں ٹائپ کمپوزنگ کی مشق کر رہے ہیں۔ اساتذہ کی مجموعی تعداد ۶۰ ہے ان میں عربی درجات میں ۲۸ فارسی میں ۴ تجوید میں ۶ حفظ قرآن میں ۶ اردو دینیات میں ۶ خوشخطی میں ۳ اور جامعہ طبیہ میں ۶ ہیں، تعلیمات کے علاوہ دارالافتاء کتب خانہ، ترتیب فتاویٰ، تنظیم و ترقی، مطبخ، امور خارجہ، محافظ خانہ، تعمیرات، برقیات، دارالشفاء، تبلیغ، نشر و اشاعت، دارالعلوم رسالہ رسالہ الداعی، اور اوقاف وغیرہ بعض ضمنی شعبہ بھی ہیں۔

دارالعلوم کا نظامِ عمل

دارالعلوم ایک شورائی نظام کے تحت کام کرتا ہے، سب سے بڑی مجلس کا نام مجلس شوریٰ ہے۔ بنیادی فیصلہ یہی کرتی ہے، دوسری مجلس عاملہ ہے یہ مجلس بڑی مجلس شوریٰ کے تحت میں ہے اور انہی میں سے بعض افراد اس مجلس میں ہوتے ہیں۔ اندرون مدرسہ دن رات کے تعلیمی امور کو انجام دینے کے لئے "تعلیمی مجلس" قائم ہے

دارالعلوم کا ذمہ دار اعلیٰ مہتمم ہوتا ہے اور اس کے تحت ایک اس کا نائب ہوتا ہے جو دارالعلوم کے شب و روز کے امور انجام دیتا ہے، مجلس شوریٰ کی نظامت کے فرائض مہتمم دارالعلوم انجام دیتے ہیں۔ اور دارالعلوم کے جملہ امور میں وہی جواب دہی کرتے ہیں۔ اراکین مجلس شوریٰ میں بیشتر علماء ہوتے ہیں۔ آج کل تو تمام کے تمام ہی علماء پر مجلس شوریٰ مشتمل ہے جنکے اسماءِ گرامی درجِ ذیل ہیں:۔

دارالعلوم کی موجودہ مجلس شوریٰ کے اراکین

۱۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحب مدظلہ العالی۔
۲۔ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی۔
۳۔ حضرت مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ حسن صاحب علوی۔
۴۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی۔
۵۔ حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی۔
۶۔ حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی۔
۷۔ حضرت مولانا قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی۔
۸۔ حضرت مولانا حامد الانصاری صاحب غازی
۹۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب۔
۱۰۔ حضرت مولانا مفتی ابوسعود صاحب۔

۱۱۔ حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب ۔

۱۲۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی صاحب ۔

۱۳ حضرت مولانا محمد سعید صاحب بزرگ ۔

۱۴۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب ۔

۱۵۔ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب ۔

۱۶۔ حضرت مولانا حکیم محمد زماں صاحب ۔

۱۷۔ حضرت مولانا حکیم محمد افہام اللہ صاحب ۔

یہ سب حضرات اپنی اپنی جگہ اہم شخصیات کے حامل ہیں، ذی رائے ہیں، اور دارالعلوم سے محبّت و عقیدت رکھتے ہیں۔ مجلسِ شوریٰ بحمداللہ اپنے تمام فیصلے اتفاقِ رائے سے اور کافی غور و خوض بحث تمحیص اور تبادلۂ خیال کے بعد کرتی ہے ۔

ختم شد

محفوظات شاہی کتب خانہ دیوبند

The Masjid, Darul Uloom